مختلف چیزوں کی قربانی

مفکراسلام مولاناڈاکٹرسید کلب صادق صاحب قبلہ

قربانی کا عربی تلفظ قربان ہے جو قرب سے نکلا ہے۔ قرب کے معنی نزدیکی کے ہوتے ہیں۔ بڑی سے بڑی عبادت ہو یا چھوٹی سے چھوٹی، واجب یا مستحب۔ وہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک اس میں پورے خلوص اور مکمل شعور کے ساتھ یہ نیت نہ ہو کہ یہ کام صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور اس کی قربت کے لئے انجام دیا جارہا ہے۔ اگر کسی عبادت کے کسی معمولی چیز کی ادائیگی میں بھی کسی اور دوسرے جذبہ کی آمیزش ہوگی مثلاً شو کے لئے دکھاوے کے لئے، اظہار تقدس کے لئے، دنیاوی منفعت کے لئے وغیرہ تو وہ فوراً باطل ہوجاتی ہے اسے پھر سے انجام دینا چاہئے۔ خواہ وہ نماز ہو، روزہ ہو، حج ہو، تلاوت قرآن ہو، خیرات ہو، عزاداری ہو، دوسرے جذبہ کی ذرا شرکت ہوئی اور یہ عبادت ناقابل قبول ہی نہیں رہتی باطل ہوجاتی ہے۔

قربت الٰہی کی یہ شرط اس لئے ہے کہ قرآن کہتا ہے، (اور حقیقت بھی یہی ہے) کہ ہر شے فنا ہونے والی ہے سوائے ذات خدا کے۔ اس لئے کسی بھی نیکی کا رخ اگر غیر خدا کے لئے ہے تو چونکہ وہ شے خود فنا ہونے والی ہے اس لئے اس نیکی کو بھی دوام نہ ہوگا اور اسلئے زائد سے زائد اس نیکی کے عوض میں کوئی عارضی شے مادی شکل میں اس کو حاصل ہوجائے گی لیکن اگر اعمال کا رخ خدا کی طرف ہوگا، اس کی خوشنودی کے لئے ہوگا تو چونکہ فنا ناپذیر ہے اس لئے ہمارے اعمال کو بھی دوام حاصل ہوجائے گا اور پھر اس کی جزا بھی قدرتی طور پر دائمی اور غیر مادی شکل میں ہوگی۔

اگر ذرا گہری نظر ڈالئے تو اسی ایک نیت قربت میں ہمارے سارے انفرادی و اجتماعی مسائل کا حل موجود ہے۔ انسان جب کسی شے کو قربۃ الی اللہ بجالائے گا یعنی اللہ سے قریب ہونے کے لئے اور وہ اس مسئلہ میں سنجیدہ بھی ہوگا تو اسے خود بخود احساس ہوجائے گا کہ چونکہ اللہ ہر عیب، ہر نقص، ہر کمی سے پاک ہے اس لئے اس سے صرف وہی چیز قریب ہوسکتی ہے جو خود پاک ہو، جس کا پیش کرنے والا پاک ہو، پیش کرنے والے کی نیت پاک ہو۔

خود پاک ہو یعنی یہ شے حرام نہ ہو۔ نجس نہ ہو، گندی نہ ہو، ناقص نہ ہو، اس کا کوئی جز کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو، جائز طریقوں سے حاصل کی گئی ہو۔

پیش کرنے والا پاک ہو یعنی وہ جسمانی کثافتوں سے بھی دور ہو اور روحانی خباثتوں سے بھی۔

نیت پاک ہو۔ یعنی اس عمل کا رخ صرف اور صرف خدا کی طرف ہو، کسی بھی طرح کا مادی مفاد پیش نظر نہ ہو سوائے ان مقامات کے جہاں مادی مفاد اطاعت حکم خالق میں پیش نظر ہوں تو مادی مفاد پر یہ نظر خود قربۃً الی اللہ ہوگی۔

''پاک'' کے معنوں میں گہرائیوں اور گیرائیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے فرمائیے کہ اگر ہمارے معاشرہ کے افراد پاک ہوں نیتیں پاک ہوں، کردار پاک ہوں اور زیر تصرف چیزیں پاک

ہوں تو معاشرہ سے ہر طرح کے فساد کا خاتمہ ہوجائے گا کہ نہیں؟ ہمارا مسئلہ یہی ہے کہ خدمت خلق کے اشتہاری افراد نہ خود پاک ہوتے ہیں نہ ان کی نیتیں پاک ہوتی ہیں۔ نہ وہ چیزیں پاک ہوتی ہیں جنہیں یہ بخیال خود نوع انسانی کی فلاح وبہود کے لئے صرف کرتے ہیں۔

لِلّٰہ اور فی سبیل اللّٰہ

اسلام کی ساری عبادتوں کی روح ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے اپنے رب سے قریب رہے۔ رب کی یہ قربت دوطریقوں سے حاصل ہوتی ہے ایک براہ راست عبد و معبود میں تعلق استوار رہنے سے دوسرے یہ کہ انسان خلق خدا کے توسط سے خالق سے قربت حاصل کرے۔ پہلی قسم میں نماز، تلاوت، دعائیں وغیرہ آتی ہیں۔ اور دوسری قسم میں وہ سارے امور آجاتے ہیں جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے انجام دیئے جائیں دوسرے الفاظ میں اسے یوں سمجھئے کہ نفس کی اصلاح اور روح کا تکامل جس طرح انسان کا فریضہ ہے اسی طرح معاشرے کی تطہیر، اصلاح اور تکامل بھی انسانی فریضہ ہے انسان پہلے قسم کے امور کو انجام دے کر دوسرا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ہماری نجات کے لئے ان میں سے ہر ایک شرط لازم کی حیثیت رکھتا ہے مگر شرط کافی کی حیثیت کسی کو حاصل نہیں ہے۔

لیکن اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ پہلی قسم کے اعمال کے ذریعہ بندہ خالق کی طرف بڑھتا ہے اور دوسرے قسم کے اعمال میں خالق خود بندہ کی طرف بڑھتا ہے اس کی شاہد یہ روایت ہے کہ جب حضرت آدمؑ زمین پر تشریف لائے تو تھوڑی دیر بعد جب حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ آدمؑ تمہارا خدا کہتا ہے کہ اب جبکہ تم زمین پر مکان حاصل کر چکے تو بتاؤ کہ اگر کبھی میں تمہارے دروازہ پر آکر کھانے کا سوال کروں تو مجھے کھانا کھلاؤ گے؟ اگر کبھی میں تمہارے دروازہ پر آکر لباس مانگوں تو مجھے لباس دوگے؟ اگر میں کبھی تمہارے دروازہ پر آکر رہنے کے لئے مکان کا سوال کروں تو مجھے مکان دےدوگے؟ حضرت آدمؑ یہ سن کر تھرتھرانے لگے۔ لرز کر اور تھرا کر کہا پالنے والے ان سوالوں کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ تو مالک میں مملوک۔ تو معبود میں عبد، تو غنی میں فقیر، تو آقا میں غلام، میں تیرے در کا بھکاری، تجھے نہ بھوک لگے نہ لباس کی حاجت نہ مکان کی ضرورت۔ پالنے والے ان سوالوں کا راز بتادے۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ آدمؑ تمہارے رب نے کہا ہے کہ اگر کبھی تمہارے دروازہ پر کوئی بھوکا آکر کھانے کا سوال کرے تو سمجھ لینا کہ وہ بھوکا میں ہی ہوں جو کھانا لینے آیا ہوں۔ اگر کوئی عریاں آکر تن پوشی کے لئے لباس مانگے تو سمجھنا کہ وہ انسان نہیں ہے میں ہوں جو تمہارے دروازہ پر کھڑا ہوں۔ اگر کوئی بے گھر آکر پناہ کا طالب ہو تو اسے بندہ نہ سمجھنا یہ سمجھنا کہ تمہارا خدا تمہارے دروازہ پر کھڑا پناہ کی بھیک مانگ رہا ہے۔

بہر حال یہ دونوں ہی راستے وہ ہیں جن سے انسان اپنے رب سے قریب ہوتا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں ہی چیزوں میں انسان کو کچھ نہ کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ نماز وقت کی قربانی ہے، روزہ میں انسان کو غذا اور پانی کو خیر باد کہنا پڑتا ہے مگر ہماری اصطلاح میں قربانی صرف ان چیزوں ہی کو کہا جاتا ہے جسے انسان دوسروں کے لئے، معاشرہ کی اصلاح کے لئے، سماج کی فلاح و بہبود اور اس کی بقا کے لئے، قربان کردے۔

مگر صورتحال یہ ہے کہ براہ راست خدا سے تعلق رکھنے والی عبادتوں میں اگر خلوص پیدا ہونا مشکل ہے تو بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعہ تقرب الٰہی حاصل کرنے میں خلوص کا باقی رہنا مشکل تر ہے۔

بہر حال قربانی کی بنیادی شرط ہے کہ وہ کسی مادی منفعت کے لئے نہ ہو۔ خواہ اس منفعت کا تعلق حال سے ہو خواہ مستقبل سے، خواہ اپنی ذات سے، خواہ اپنے وابستگان سے۔

قربانی قبول ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قیمتی ہو، پیاری ہو، مد فاضل نہ ہو۔ مد فاضل سے صرف کی جانے والی شے خیرات ہوتی ہے، ایثار و قربانی نہیں۔

البتہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قیمتی سے مراد بجائے خود قیمتی ہونا نہیں ہے بلکہ چاہے وہ شے بجائے خود قیمتی نہ ہو، اس پیش کرنے والے کے حالات کے لحاظ سے قیمتی اور محبوب ہو۔

جنگ تبوک کی تیاری کے لئے مدینہ میں عطیات لئے جارہے تھے۔ یہ دور وہ تھا کہ مسلمانوں کی غربت دور ہو چکی تھی وہ دولت دنیا کے مالک ہو چکے تھے۔ اس لئے قیمتی سے قیمتی چیزیں سونے چاندی کے دینار ودرہم لالا کر رسولؐ کے سامنے رکھے جارہے تھے اور ان کا ایک ڈھیر رسولؐ کے سامنے لگ گیا تھا اتنے میں ایک صحابی ابو عقیل انصاری آئے، یہ بہت غریب تھے اور معمولی مزدوری پر زندگی گذر بسر کیا کرتے تھے انہوں نے رات کو ایک باغ میں مزدوری کی تھی۔ وہاں سے مزدوری میں تھوڑی سی کھجوریں ملی تھیں یہی ان کا سرمایہ تھیں۔ انھوں نے ان میں سے آدھی کھجوریں گھر میں دے دیں۔ آدھی لئے ہوئے رسولؐ کے پاس آئے۔ لوگ ان کھجوروں کو دیکھ کر مسکرانے لگے مگر رسولؐ نے فرمایا کہ ابو عقیل کی کھجوریں سارے سامان کے اوپر رکھ دو۔ خدا کے نزدیک انھیں کی قیمت سب سے زائد ہے۔

اس منزل پر وہ روایت بھی پیش نظر رہنا چاہئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نذر کے سلسلہ میں اہلبیتؑ رسولؐ (علیؑ وفاطمہؑ وحسنینؑ) نے بشمول فضہؓ روزہ رکھے تھے۔ ہر روز افطار کے وقت ہر ایک کے سامنے صرف ایک ایک جو کی روٹی اور پانی کا پیالہ تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ ہر روز عین افطار کے وقت سائل آ گیا پہلے روز مسکین، دوسرے روز یتیم، تیسرے روز ایک قیدی، ہر روز اہلبیتؑ اور فضہ نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں سائل کو دے دیں اور خود فقط پانی پی کر شکر خدا ادا کیا دنیاوی اعتبار سے جو کی روٹیوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر روزہ داروں کی بھوک نے ان کی قیمت بہت بڑھا دی تھی۔ یہ روٹیاں اہلبیت کے لئے اس وقت قیمتی بھی تھیں اور محبوب بھی مگر ان کے لئے رضائے الٰہی زائد قیمت رکھتی تھی اور اپنی بھوک مٹانے سے زائد دوسروں کی بھوک مٹانا محبوب تھا اس لئے قرآن مجید کا سورہ دہر مدح میں اتر آیا جس میں خاص طور پر بتایا گیا کہ اہلبیت کا کارنامہ یہ تھا کہ شدید بھوک کے باوجود اپنی بھوک کو نظر انداز کر کے دوسروں کو سیر وسیراب کر دیا گیا۔

مختصر یہ کہ قربانی کی روح دو چیزیں ہیں۔ ایک قربانی میں پیش کی جانے والی چیز کا عزیز ہونا، محبوب ہونا۔ دوسرے کسی ذاتی منفعت کا پیش نظر نہ ہونا۔

سب سے زائد پیاری شے انسان کو اپنی ذات ہوتی ہے اور اسی لئے انسان ذاتی مفاد کو دوسروں کے مفاد پر ترجیح دیتا ہے بلکہ آج اس مادی دنیا میں تو یہ عالم ہو گیا ہے کہ اپنے معمولی سے معمولی مفاد کے لئے دوسرے کا بڑے سے بڑا نقصان کرادیا جاتا ہے۔ قربانی کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے مفادات اپنی دولت اپنے وقت اور اپنے سے وابستہ ہر شے کو دوسروں کے مفادات اور بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے یوں قربان کر دیا جائے کہ اس قربانی میں اپنی ذات کا مستقبل قریب کیا مستقبل بعید تک ادنیٰ مادی و دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ اور پھر اس راہ میں جو لوگ اپنی جان تک کو قربان کر دیں وہ ہی شہید کہے جاتے ہیں۔ اس طرح کی خالص قربانی ایک وقیع اور قیمتی اور اہم شے ہے مگر خود اس قربانی سے زائد اہم ہے اس کی منطقی اور عقلی توجیہ کسی بھی مادی مکتب فکر کے لحاظ سے اس کی منطقی تفسیر یا تحلیل ممکن نہیں ہے۔

قربانی کے اس مفہوم کی مادی نقطۂ نظر سے تفسیر یا تحلیل کیوں ممکن نہیں ہے؟ آیئے اس پر غور کریں۔

ہم کوئی شئے اسی وقت دیتے ہیں جب اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری شئے ہم کو مل رہی ہو۔ اس کا ایک طریقہ تو وہی ہے جس میں ہم صبح وشام مصروف رہتے ہیں۔ ایک مادی شئے دیتے ہیں اور اس کے عوض میں ایک مادی شئے لے لیتے ہیں جیسے روپیہ دے کر جنس لینا یا جنس دے کر روپیہ یا کسی چیز کے عوض کوئی چیز لے لینا مثلاً گیہوں دے کر شکر لے لینا یا شکر دے کر گیہوں لے لینا۔ کبھی یہ تبادلہ اور لین دین مادی اور غیر مادی چیزوں کے

درمیان ہوتا ہے جیسے محنت کے مقابلہ میں مزدوری یا مزدوری کے مقابلہ میں محنت یا علم کے مقابلہ میں دولت قبول کرنا یا دولت کے ذریعہ خریداری علم، مذہبی تقریریں کرنا اور نظر کا بانی کی جیب پر ہونا۔ یہ سب تبادلہ اور لین دین کی مختلف شکلیں ہیں جن میں ایک شئے دی جاتی ہے مادی یا غیر مادی اور اس کے عوض میں ایک شئے حاصل کی جاتی ہے مادی یا غیر مادی۔

اس قسم میں ایسے حضرات آتے ہیں جو ہماری نظر میں کسی خاص بلندی کے حامل نہیں ہوتے۔ انہیں عام انسان تصور کیا جاتا ہے۔ دینے والوں کی دوسری قسم وہ ہے جو کچھ وہ دیتے ہیں اس کے عوض بظاہر کچھ نہیں لیتے ایسے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ جو کچھ دیں اس کی اشاعت اخبارات کے ذریعہ ہو، اس کا پروپیگنڈہ ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ ہو اور اس طرح ان کے نفس کو تسکین ہو اور ان کی زنگ لگی نفس پرستی پر مصنوعی سخاوت کی قلعی ہو جائے۔

کچھ لوگ وہ ہیں جو ان سے بھی زائد گہرے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ان کے نام کی اشاعت ہو یا ان کا نام زبانوں پر آئے۔ اس لئے کہ اس صورت میں ان کے نفس کی پوری تسکین نہیں ہوتی ان کی انا کو پورا سکون نہیں ملتا کیونکہ نام دوسرے سیکڑوں ناموں کے ضمن میں آئے گا پتہ نہیں کس کی نظر پڑے اور کون نہ دیکھ پائے؟ لیکن اگر عطیہ گمنام ہوگا ''بندہ خدا'' کے نام سے ہوگا تو لوگ کہیں گے کیا بے نفس انسان ہے! کیا پرخلوص شخص ہے کہ عطیہ دیا مگر نام نہ آنے دیا۔ یہ ذکر اس کے سامنے بھی ہوگا اور پھر یہ اپنی جگہ پھولے گا کہ یہ میں ہوں۔ جن لوگوں کے توسط سے اس نے یہ عطیہ دیا ہے اور نام کی اشاعت سے روکا ہے انہیں کی تحسین و آفرین کے ذریعہ یہ اپنے نفس کو تسکین دے گا اور اس کی انا سکون پائے گی اس شخص نے پروپیگنڈہ کی کوانٹٹی پر نظر نہیں رکھی ہے، کوالٹی پر نظر رکھی ہے۔

اب رہ گئیں ایسی بے قیمت بخششیں اور ایسے معمولی عطیے جو گویا فاضل مدوں سے ہوں جن کی کمی کا کوئی اثر انسان کی زندگی پر نہ پڑے جنہیں عرف عام میں ''خیرات'' کہا جاتا ہے۔ ایسے عطیات اور بخششیں کسی منطقی توجیہ کی محتاج نہیں ہیں۔ عقل اجتماعی اور سماجی شعور ایسے خیراتی امور پر ابھارنے کیلئے کافی ہے۔

وہ شے جو آج کی دنیا میں سیاسی منطق کے اعتبار سے مادی منطق کے اعتبار سے جدلی منطق کے اعتبار سے، مارکسسٹ منطق کے اعتبار سے غرض ہر قسم کی جدید منطق کے اعتبار سے نا قابل توجیہہ ہے۔ وہ قربانی ہے وہ ایثار ہے جس کا مفہوم رہے۔ انسان دوسروں کے مفادات کے لئے اپنے مفادات کو ہر طرح کے مفادات کو بالکل ہی نظر انداز کردے، اسے دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دوسروں کی ایسی خدمت جو خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کی حیثیت رکھتی ہو۔ دوسروں کی آزادی کے لئے اپنی آزادی کو قربان کردے۔ دوسروں کی بھوک مٹانے کے لئے اپنا کھانا دوسروں کو دے دے اور خود بھوکا رہ جائے۔ اپنا اور اپنے متعلقین کا مستقبل نظر انداز کرتے ہوئے اپنا پانی دوسروں کی پیاس بجھانے میں صرف کردے۔ حد یہ ہے کہ جو اپنی اور اپنے ساتھیوں اور جگر کے ٹکڑوں کی موت کا خواہاں ہو تاکہ انسانی سماج کسی ظالم ڈکٹیٹر کے پنجۂ ظلم سے نجات پا جائے یہ وہ چیز ہے جس کی کسی بھی مادی مکتب فکر کے لحاظ سے نہ توجیہ کی جاسکتی ہے نہ تحلیل ممکن ہے۔

نیتشے انیسویں صدی کا مشہور مغربی مفکر ہے، شروع شروع میں یہ صرف طاقت کے فلسفہ کا قائل تھا لیکن آخری دور میں اس طرز فکر کو ترک کرکے اعلیٰ انسانی اقدار کو ہی انسانیت کی روح سمجھنے لگا تھا۔ اس کے آخری دور کا واقعہ ہے کہ ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک گھوڑا گاڑی ایک نہر میں پھنس گئی ہے۔ کمزور گھوڑا اپنی پوری طاقت سے اسے کھینچنا چاہ رہا ہے مگر کمزوری کے سبب کھینچ کر باہر نہیں نکال پا رہا ہے۔ گاڑی والا اسے چابکوں پر رکھے ہوئے ہے اور بے تحاشہ چابک پر چابک مارے جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ گھوڑا نیتشے کا نہ تھا گاڑی والے کا تھا۔ مگر نیتشے سے یہ ظلم برداشت نہ ہوسکا اور یہ دبلا پتلا مرزئی فلسفی موٹے

تگڑے گاڑی والے سے بھڑ گیا اس کا انجام ظاہر تھا۔ یہ بے چارہ نازک اندام فلسفی اس موٹے تگڑے گاڑی والے کی ایک ہی ٹھوکر میں زمین پر گر پڑا اور دم توڑ دیا۔

غور کیجئے اتنا بڑا فلسفی، اتنا بڑا مفکر، اتنی عظیم شخصیت اور وہ محض ایک گھوڑے کے بارے میں ایک جانور کے لئے اتنا حساس ہو کہ اس کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دے اور واقعی جان دے ڈالے۔ آپ بتائیں کیا مادی توجیہ کی جاسکتی ہے نیتشے کے اس عمل کی۔ مادی لحاظ سے توجیہ وہاں کی جاسکتی ہے۔ جہاں عمل کے مقابلہ میں کسی نہ کسی عنوان کا فائدہ ہو جہاں عمل اور فائدہ میں علت و معلول کی نسبت ہو، انسان کچھ دیتا ہے کچھ پانے کے لئے اور اگر جو شئ دی ہو وہ زائد قیمتی ہو اور اس کے مقابلہ میں ملنے والی چیز کم قیمت ہو تو عقل اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتی۔ منطق اس کی مذمت کرتی ہے منطقی اعتبار سے نیتشے کا یہ کام قابل تعریف نہیں قابل مذمت ہے نیتشے نے کیا شئ دی؟ اپنی جان، ایک انسان کی جان، ایک فلسفی کی جان، کیا شئ بچائی؟ ایک گھوڑے کی جان ایک جانور کی جان۔ منطقی اعتبار سے یہ سودا بہت ہی مہنگا ہوا۔ لین دین میں واضح اور زبردست نقصان ہوا۔ ہزار روپئے دے کر ایک روپیہ پانا تجارت نہیں حماقت ہے۔ گویا مادی منطق کے اعتبار سے نیتشے کا یہ تاریخی کارنامہ حماقت محض قرار پاتا ہے۔

آج کی دنیا میں جہاں Utilization کا اصول کارفرما ہے، جہاں ہر شے کی قیمت اس کی مادی منفعت کے لحاظ سے معین کی جاتی ہے نیتشے کا یہ کارنامہ مبتذل قرار پاتا ہے۔ مگر کون انسان ہے جس کی روح اس مبتذل عمل کے سبب نیتشے کے لئے جذبۂ محبت سے سرشار نہ ہو جائے اور کون سا وہ سر ہے جو نیتشے کی اس حماقت کے روبرو عقیدت سے جھک نہ جائے۔ نیتشے نے ایک جانور کے لئے موت کو گلے لگا کر مادی منفعت اور ''اخلاقی قدر'' کا فرق واضح کر دیا۔ نیتشے نے ایک گھوڑے کے لئے بیشک جان دے دی۔ اس نے جان دے کر بتایا کہ انسان میں احساس ذمہ داری کس قدر ہونا چاہئے دوسروں کے بارے میں۔ چاہے وہ ایک معمولی جانور ہی کیوں نہ ہو۔ یہی احساس ذمہ داری، یہی دوسروں کے حقوق کی حفاظت کا شعور خلاصہ انسانیت بھی ہے اور مذہب بھی۔ وہ ماوراء عقل قدر جسے نیتشے نے جان دے کر زندہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اسی وقت انسان کہے جانے کا مستحق ہے جب وہ دوسروں کے حقوق کا محافظ ہو، خواہ وہ بے زبان جانور ہی کیوں نہ ہو۔ اسی قدر کو بچانے میں نیتشے اتنا آگے بڑھ گیا کہ خود اپنی جان کو داؤں پر لگا دیا۔

غور کیجئے یہاں لین دین نام کی کوئی شئ نہیں ہے مادی یا غیر مادی شے کے مقابلے میں نہ مادی شے کی طلب تھی نہ غیر مادی شے کی۔ یہ وہ معمولی خیرات بھی نہ تھی جہاں ایسی شئ دی جائے کہ دینے والے کا کوئی نقصان نہ ہو یہ حقیقی قربانی تھی، واقعی ایثار تھا۔ سب کچھ دے دینا اور کچھ نہ چاہنا۔ قید ہو کر دوسرے آزاد رہیں مصیبتوں کا استقبال کرو کہ دوسرے پرسکون رہیں۔ اپنی زندگی مشکلات، تلخیوں اور آفتوں میں بتا دو تا کہ آئندہ نسلوں کی زندگیاں، خوشیوں، مسرتوں اور کامرانیوں سے بھرپور رہیں۔ حد یہ کہ جانیں دے دو کہ دوسرے زندہ رہ سکیں لیکن آخر کوئی ایسا کیوں کرے پر دنیائے مادیت کے پاس اس کی نہ کوئی توجیہ ہے، نہ ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف غیر مادی احساسات ہی ہیں جو مادی انسان کو ایسے امور پر ابھار سکیں کہ اپنے مستقبل کو بالکلیہ نظر انداز کر کے محض دوسروں کے لئے اپنی کائنات اپنی زندگی تک قربان کر دے، مادی دنیا میں ایسی قربانیوں کی مثالیں کہیں نہ ملیں گی۔ ایسی قربانیاں اگر ملیں گی تو محض مذہبی دنیا میں ملیں گی۔ اور مذہبی دنیا میں بھی اسلام میں اور اسلام میں اہل بیت کے گھرانے میں اور اہلبیتؑ میں امام حسینؑ کی قربانی جو تمام قربانیوں کی جان ہے وہ قربانی جو تمام قربانیوں کی جان ہے جس کے فوائد ۶۱ھ سے تا قیام قیامت خلق خدا کو پہنچتے رہیں گے۔

[ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ (ذبح عظیم نمبر) ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۶ء]

❁❁❁